خالد حسن قادری (لندن)

علامہ اقبال کا ایک شعر

ایک زمانے میں اقبال پر یہ اعتراض ہوتے رہے کہ وہ اردو کے بعض مذکر الفاظ کو مونث یا مونث الفاظ کو مذکر نظم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض "ماہرین زبان" عامیانہ لب و لہجہ اختیار کرنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ جس پر ایک دفعہ مرحوم پروفیسر احسن فاروقی کو کراچی یونیورسٹی کی ایک تقریب میں کہنا پڑا: "اردو زبان کو اہل پنجاب یا اہل سرحد سے نہیں بلکہ منشیان اردو سے نقصان پہنچا ہے۔ اس پر ایک صاحب... نے کہا:۔ حضرت کسی ایک منشی کا نام تو بتایئے۔ تو پروفیسر نے کہا: "ایک تو آپ ہی کی ذات شریف ہے' اس پر ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔"

اس قسم کے اعتراضات غالب پر بھی کیے گئے تھے کہ وہ قواعد زبان کی پابندی نہیں کرتے۔ جس پر عبدالرحمان بجنوری نے کہا تھا:۔ کبھی کبھی ایک ایسا پیغمبر سخن دنیا میں آتا ہے' جو نظریات اور قواعد زبان سے آزاد اور صرف روح القدس کا ترجمان ہوتا ہے... یہ قواعد زبان کا کام ہے کہ ان کی پابندی کرے یا ان کی خاطر اپنی درسیات میں خاص ضمیمہ جات کا اضافہ کرے۔"

سید جمال الدین افغانی کے ایک عرب دوست مخزومی پاشا نے افغانی کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کو "خاطرات جمال الدین

الافغانی" کے نام سے چھاپا ہے۔ مخزومی پاشا کا کہنا ہے کہ کتاب کا یہ نام خود افغانی نے تجویز کیا تھا' لیکن جب ان سے کہا گیا کہ "خاطرات" کی بجائے لفظ خواطر ہونا چاہیے' ورنہ علماء قواعد زبان کی مخالفت کا طعنہ دیں گے۔ تو افغانی نے کہا کہ علماء کو چھوڑیے' جو میں نے کہا ہے اسے ہی رکھئے' ہم انقلابیوں کی اپنی زبان ہے۔

یہاں ہم محترم ڈاکٹر خالد حسن قادری کا ایک مکتوب گرامی :۔ علامہ اقبال کا ایک شعر۔ جو لندن کے ایک ماہنامہ اردو مجلّہ "اردو ادب" میں شائع ہوا ہے' قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

(ادارہ)

اقبال نے "بال جبریل" میں لکھا ہے :

ضمیر لالہ مئے لعل سے ہوا لبریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز

"پرہیز" بالاتفاق مذکر ہے۔ اس پر برابر اعتراض ہوتے رہے ہیں کہ اقبال نے "پرہیز" کو مونث نظم کر کے زبان سے کم واقفیتی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہیے کہ اقبال نے زبان دانی کا دعویٰ کبھی نہیں کیا صحت زبان' روز مرہ' محاورہ وغیرہ کی سند فراہم کرنے کے لیے نہ اقبال نے شاعری کی اور نہ ان کے کلام کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اقبال داغ کے شاگرد تھے۔ خواہ یہ شاگردی کتنی ہی کم مدت رہی ہو' لیکن اقبال نے داغ کو ہمیشہ اپنا استاد تسلیم کیا اور ضرور ہے کہ اپنے استاد کے کلام کا مطالعہ بھی کیا ہوگا۔ داغ جس پائے کے زباں داں اور جس رتبے کے مسلم الثبوت استاد ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ داغ نے خود بھی نہایت بلند آہنگی اور خود اعتمادی سے کہا :۔

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

اور اس کی ایک وجہ بھی خود ہی بتا دی:۔

کیوں داغ دہلوی کی زبان مستند نہ ہو
پیدا کیا خدا نے اسے تخت گاہ میں

اگرچہ وہ اس شرف اور امتیاز میں تنہا نہیں لیکن ایک امتیاز ان کو بلاشبہ بلا شرکت غیرے حاصل تھا' اور وہ یہ ہے کہ وہ تقریباً چودہ برس کی عمر سے لے کر تقریباً پچیس برس کی عمر تک "قلعہ معلیٰ" میں رہے' وہیں ان کی پرورش و تربیت ہوئی اور وہیں انہوں نے بیگمات کی زبان سے نکھری ہوئی شفاف اور مستند زبان سیکھی اور روز مرہ اور محاورے سنے جو ان کے مزاج میں پیوست ہوگئے۔ اس بات نے ان کے اندر ایسی خود اعتمادی پیدا کر دی تھی جو بعض اوقات خود رائی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ "فرہنگ آصفیہ" کے نامور مولف اور زبان داں مولوی سید احمد صاحب دہلوی کا ذکر داغ سے کیا گیا تو انہوں نے کہا:۔

"ہاں وہ سرائے عرب کے رہنے والے تھے۔"

نکتہ اس میں یہ ہے کہ دہلی کے قدیم باشندے "عرب سرائے" کو شہر سے باہر کا علاقہ سمجھتے ہیں اور داغ کی مراد یہ تھی کہ چوں کہ وہ (مولوی صاحب) اصل دہلی کے باشندے نہ تھے اس لیے ان کی زبان کا اعتبار نہیں۔

بیگمات قلعہ معلیٰ کی زبان پر بعض الفاظ کا استعمال تذکیر و تانیث اہل دہلی سے مختلف بھی تھا۔ جہاں اس طرح کا اختلاف ہے داغ کے ہاں اسی کا پرتو ملتا ہے۔

"پرہیز" کو خود داغ نے مونث نظم کیا ہے:

وصل کی شب بھی تمہاری وہی پرہیز رہی
مہربانی بھی تمہاری ستم آمیز رہی

"گلزار داغ" کے بیشتر مطبوعہ نسخوں میں یہ مطلع اسی طرح درج ہوا

ہے۔ جنہوں نے اقبال کا دفاع کیا ہے' انہوں نے داغ کے اس مصر کو ہی نقل کیا ہے کہ :

اقبال نے اپنے استاد کی پیروی میں "پرہیز" کو مونث نظم کیا اور اقبال کے لیے زباں دانی میں داغ سے بڑھ کر کوئی اور مستند نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے "پرہیز" کو مونث نظم کر دینے پر اقبال کے خلاف زبان طعن دراز نہیں کرنی چاہیے۔

داغ نے بعض اور الفاظ بھی مونث نظم کیے ہیں۔ جنہیں اہل لغات نے مذکر قرار دیا ہے مثلاً "اول" اردو میں بالاتفاق مذکر ہے مگر داغ نے اسے مونث نظم کیا ہے :

آنے کا وعدہ کرتے ہو کیا اس کا اعتبار
بلوا دو اپنی اول میں میرے رقیب کو
داغ

اب ختام المسک کے طور پر عرض یہ ہے کہ اتنی تفصیل سے "پرہیز" کی تذکیر و تانیث پر گفتگو کرنے کے بعد بھی شرح صدر حاصل نہ ہوئی اور خلش باقی رہی۔ اتفاق دیکھیے کہ میرے والد صاحب قبلہ پروفیسر حامد حسن قادری علیہ الرحمہ کی ذاتی کتابوں میں مجھے "گلزار داغ" کا ایک قدیم نسخہ دستیاب ہو گیا' یہ نسخہ میرے نانا مولانا مولوی نصیر عالم صاحب علیہ الرحمہ کی ملک تھا۔ اس کی پیشانی پر ان کے قلم سے تحریر ہے :۔ "مقام مراد آباد ۱۲ مارچ ۱۸۸۴ء کو خرید کی گئی۔ نصیر عالم" یہ نسخہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ میں ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں چھپا۔ اس دیوان پر صفحہ ۲۱۴ پر یہی غزل ہے اور اس کا مطلع اس طرح درج ہے :

وصل کی شب بھی وہی عادت پرہیز رہی
مہربانی بھی تمہاری ستم آمیز رہی

اس دریافت کے بعد داغ اور اقبال دونوں پر سے الزام اٹھ گیا۔ داغ

نے "پرہیز" کو مونث ہی لکھا ہے۔ ہم نے ذاغ کے دفاع میں جو دلائل دیئے تھے وہ سب غیر ضروری ہو گئے۔ یہ دیوان داغ کی زندگی ہی میں شائع ہوا۔ اس کے حق تالیف و اشاعت بھی ان ہی کے نام ہیں کیوں کہ سرورق پر لکھا ہے :۔ "تصنیف شاعر اعجاز بیان نواب مرزا خان صاحب بحفاظت حق تالیف۔"

ہم نے ابھی کہا کہ ۱۸۷۸ء کی مطبع انوار محمدی لکھنؤ کی پہلی اشاعت "گلزار داغ" کے بعد داغ پر سے یہ الزام اٹھ جاتا ہے کہ انہوں نے "پرہیز" کو مونث باندھا لیکن اقبال کو بھی ہم نے اس اتہام سے بری قرار دیا جب کہ ان کے ہاں واضح طور پر...

"اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز"

موجود ہے اس کی توجیہ اس طرح پر ہے کہ "گلزار داغ" کی پہلی اشاعت ۱۸۷۸ء کے بعد جو اور اشاعتیں بعد میں آئیں ان میں سہو کاتب سے پہلے مصرعہ میں تحریف واقع ہو گئی۔ یعنی پہلا مصرعہ کاتب نے اس طرح لکھ دیا :

"وصل کی شب بھی تمہاری وہی پرہیز رہی"

اقبال نے ہمیں یقین ہے کہ "گلزار داغ" کی پہلی اشاعت نہیں دیکھی ہوگی۔ کیوں کہ وہ اقبال کی پیدائش ۱۸۷۷ء کے ایک سال بعد چھپی تھی۔ یعنی "گلزار داغ" کی اشاعت کے وقت اقبال کی عمر صرف ایک سال تھی۔ اردو شاعری کی طرف متوجہ ہونے اور داغ کے تلمذ تک پہنچتے پہنچے کم و بیش بائیس پچیس برس لگ گئے ہوں گے' اس لیے اقبال نے یقینی طور پر "گلزار داغ" کی پہلی اشاعت میں اس مصرعہ کی اصل شکل نہیں دیکھی ہوگی اور جب انہوں نے مابعد کی اشاعتوں میں تحریف شدہ شکل میں "پرہیز" کو مونث دیکھا تو ان کے لیے یہ جاننے کے باوجود کہ عام طور پر اساتذہ کے ہاں "پرہیز" مذکر ہے اپنے استاد داغ سے یہ پوچھنے کی' کوئی ضرورت نہیں تھی کہ انہوں نے کیوں اسے مونث نظم کیا ہے۔ اگر عمروں کا تفاوت اور استاد شاگردی کے آداب اور اس

عہد کے سماجی و اخلاقی ضابطوں پر نظر کی جائے تو اقبال نے بے شک وہی کیا جو ہر باشعور شاگرد کرتا ہے اور ان کے اپنے مصرعہ میں تو "پرہیز" تذکیر کی صورت میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ انہیں یہ خوب صورت شعر ہی ترک کرنا ہوتا۔ بہرحال ہماری اس دراز نفسی کا مدعا بدلائل یہ ہے کہ داغ اور اقبال، دونوں غلط زبان کے اتہام سے بری ہیں۔